

سمندر اہل پڑے۔

کیسا کے پاس ہی ڈرام شیش بھی تھا۔ سنان اپنی پندرہ فرائیک کی تصویر بغل میں  
وابے وہیں سے ایک ڈرام میں سوار ہو کر شہر کے مرکز میں اتر گیا جہاں سے نپولین کی  
تعمیر کردہ ”فتح کی محراب“ کھڑی تھی۔ محراب کے چاروں طرف نپولین کی مختلف جنگوں  
کے واقعات سگ مرر کے خوشنما مجسموں کی صورت میں ابھرے ہوئے تھے۔ اس  
محراب میں سے بارہ خوبصورت سرکیں نکل کر پیرس کے سینے پر حیات آفرین شرماں  
کی طرح پھیل گئی ہیں۔ انہی میں سے ایک مشور زمانہ شاذے لیزے ہے جسے  
فرانسیسی دنیا کی خوبصورت ترین سرک کا خطاب دیتے تھے۔ سنان اس میں تھوڑا را  
روبدل کرنا چاہتا تھا۔ شاذے لیزے یقیناً دنیا کی دوسرا خوبصورت ترین سرک  
کملانے کی مستحق تھی۔ لاہور کی مال روڈ کو اس پر فوکیت حاصل تھی۔

”شاذے“ جیسا کہ اس سرک کو اہل پیار سے کہارتے ہیں ۱۸۸۴ء میں ماری ڈی  
سیدیکا کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق تعمیر ہوئی۔ سرک کے دونوں طرف پیدل چلنے  
والوں کے لیے وسیع فٹ پاتھ ہیں جن کے گرد ہرے بھرے درختوں کی قطاریں دور  
تک چلی گئی ہیں۔ فٹ پاتھ کے پہلو میں پیرس کی بہترن فیشن کی دکانیں اور قوہ خالی  
ہیں جہاں لوگ مشروب پینے کی خاطر کم اور فٹ پاتھ پر رواں فیشن پریڈ دیکھنے کے لئے  
زیادہ بیٹھتے ہیں۔ ایک میل سے زیادہ طویل یہ سرک کا گورود چوک کے درجنوں  
عالیشان فواروں پر ختم ہوتی ہے جہاں انقلاب فرانس کے دوران میں گلوٹین گاڑھ کر  
تین ہزار کے لگ بھگ لوگوں کے سر قلم کر دیئے گئے تھے۔ ان میں لوئی شاذے دھم کے  
علاوہ ملکہ ماری انٹونیت (غیریوں کے پاس اگر روٹی نہیں تو وہ کیک کیوں نہیں کھاتے؟)  
واتھن اور کورڈے بھی شامل تھے۔

سنان بھی ایک عام سیاح کی مانند ایک قوہ خالی کے باہر بیٹھ کر کافی پینے لگا اور  
فت پاتھ پر چلتے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس مشغل سے آتا  
گیا۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ دنیا کے بہترن عجائب گھر لودر میں جا کر مصوری کا

شاہکار مونا لیزا اور ویس کا خوبصورت مجسمہ دیکھا جائے۔ چنانچہ اس نے ویٹر سے کافی کامل لانے کو کہا، بل کی آمد نے پیرس کی خوبصورتی میں زہر گھول دیا۔ پانچ فرائک کافی کے دو فرائک سروس چارج یعنی مبلغ چودہ روپے پاکستانی کافی پر امتحن گئے۔

”فتح کی محراب“ کے میڑو شیش سے وہ گاڑی میں سوار ہو کر لودر عجائب گھر کے شیش پر اتر گیا۔ یہ شیش یقیناً ماسکو کے زیر زمین شیشنوں کے ہم پلہ تھا جنہیں دنیا میں خوبصورت ترین مانا جاتا ہے۔ لودر شیش کا وسیع پلیٹ فارم ہلکی روشنی سے منور تھا۔ دیواروں میں جا بجا اطالوی اور یونانی مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ چھٹ سے درجنوں بیش قیمت جھاڑ اور فانوس لٹک رہے تھے۔ وہ اس شیش کی محور کن خوبصورتی میں کھویا ہوا تھا کہ پیچھے کھڑے ہوئے ایک مسافر نے اسے کندھے سے کپڑ کر اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک پاکستانی حضرت جن کی صورت سے وہ قطعاً نا آشنا تھا کھڑے مسکرا رہے تھے۔

”آپ کا نام سنان ہی ہے نا؟“

اس نے اثبات میں سر ہلاایا۔

”آپ کسی زمانے میں لاہور کے نیشنل کالج آف آرٹس میں بڑی باقاعدگی سے آیا کرتے تھے؟“

سنان کو یاد آیا کہ وہ اس کالج میں ایک دوست تنویر کے پاس اپنے گھر کا نقشہ بنانے کی غرض سے جایا کرتا تھا۔ تنویر کو انہی دنوں لاہور کے چڑیا گھر کا نقشہ بنانے کا تمیکہ بھی مل گیا۔ چنانچہ جب سنان کے گھر کا نقشہ مکمل ہوا تو تنویر کی غیر حاضر دماغی کی وجہ سے باورچی خانے کی بجائے وہاں ریچپوں کے پنجبرے کا نقشہ بن گیا اور سنان کا باورچی خانہ چڑیا گھر کے نقشے میں منتقل ہو گیا۔ اسی لیے تو شاید آج کل یہ کہا جا رہا ہے کہ لاہور کے چڑیا گھر میں جانوروں کو گھر کا سماحول میسر ہے۔ بہر حال سنان یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ ان حضرت کا نیشنل کالج آف آرٹس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو پہچان نہیں پایا۔“ سنان نے شرمende ہو کر کہا۔

”مجھے کماری کتے ہیں“ ان صاحب نے نہایت اکھاری سے اپنا تعارف کووا  
”ایک روز آرکی پیچگر کے پیچھا رتویر صاحب کے کمرے میں آپ سے ملاقات ہوئی  
تھی“ ”آہا کماری صاحب“ سنان نے بڑی گرموجشی سے ہاتھ ملایا۔ پچان وہ اب بھی  
نہیں پایا تھا۔

”بھائی بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر“ کماری صاحب تو آپ سے باہر ہو رہے  
تھے ”مدتوں بعد کسی آشنا صورت سے واسطہ پڑا ہے۔“

شاید یہ صاحب تنویر کے ہاں چڑیا گھر کی تعمیر نو کے ٹیکلے کے لیے آیا کرتے تھے  
سنان کو یاد آگیا۔

”اور سنائیے کماری صاحب آپ کے چڑیا گھر کا کیا حال ہے؟“ سنان نے سو شل  
ہونے کی کوشش کی۔“

”چڑیا گھر؟“ کماری صاحب نے جیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

”جی ہاں چڑیا گھر۔ بندروں اور ریچھوں کے پیغمبرے وغیرہ۔“

”بندروں؟“ ”کماری صاحب باقاعدہ ہنسنے لگے ”آپ مجھے پچان نہیں سکے  
میرا پیشہ تو مصوری ہے۔ پچھلے چند ماہ سے پاکستان کے ایک صنعتی ادارے کے توسط  
سے پیرس میں مقیم ہوں اور یہاں پاکستانی دستکاریوں کو فروغ دینے کے لیے کوشش  
ہوں۔“

سنان بیجد شرمندہ ہوا اور بھرپور مذہرات کی۔

”کیا آپ بھی یہ مصوری وغیرہ کے سلسلے میں پیرس آئے ہیں؟“ کماری صاحب  
نے سنان کے بغل میں دابی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

”اوہ یہ تصویر۔“ سنان نے ہنس کر کہا ”پندرہ فرماںک اٹھے ہیں اس پر“ اور پھر  
اپنی سیاحت کے بارے میں بتایا۔

”اب کیا پروگرام ہے۔“

”لودر کے عجائب گھر میں جانے کا خیال تھا۔“

”چھوٹیے صاحب“ کماری صاحب نے خوشی سے کہا ”پچھلے پرتو عجائب گھر یا جوں سے شما پڑا ہوتا ہے، ہجوم کی وجہ سے آپ کو تصویروں کے فریم اور مجسموں کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا۔ صحیح سوریے جا کر دیکھئے اور اس وقت میرے لی ہائکوں کے سوا کچھ چیजے۔“

ماتحتہ چل کر میرے کمرے میں کافی کی ایک پیالی چیجے۔“  
کماری کی دعوت میں اتنا خلوص تھا کہ سنان انکار نہ کر سکا۔ ”لور بعد میں دیکھ بیسے“ اس نے سوچا اور کماری کے ساتھ چل دیا۔

کماری کے چھوٹے سے کمرے پر اچھے خاصے عجائب گھر کا گمان ہوتا تھا۔ پاکستانی بناکاریوں کے نمونے، مثل طرز مصوری کی لاتقداد تصاویر، پیرس کی تاریخی عمارتوں کے پہل سچع، رنگوں کے ڈبے، خالی کینوس اور خالی بو تلیں۔

کماری نے سنان کو اپنی بنائی ہوئی تصاویر اور مٹی کی نقش شدہ اینٹیں دکھائیں جنہیں پیرس کے فن پرست حلقوں نے بے حد سراہا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ایک کونے میں رکھے ایک سٹوپ کافی تیار کی اور وہ دونوں وہیں قالین پر بیٹھ کر باتم کرنے لگے۔

”آخر پیرس میں ایسی کونسی کشش ہے کہ دنیا جہاں کے مصور یہاں کھینچنے چلے آتے ہیں۔ مجھے تو ابھی تک اس شر میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی“ سنان نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے کماری سے پوچھا۔

”فن کے بارے میں یہاں کے لوگوں کا خوشگوار رویہ، حکومت کی طرف سے مراتعات اور سپرتی۔ یہاں کا ماحول اور پھر پیرس کی تاریخی عمارتیں جو کینوس پر منتقل ہو کر اور بھی دیدہ زیب ہو جاتی ہیں۔ مصور بھی ایک شاعر کی طرح ہوتا ہے۔ وہ چاہے اپنے فن کے ذریعے سے دو وقت کی روٹی کھانے میں ناکام ہو جائے گروہ داؤ ضرور چاہتا ہے۔ امیں پیرس اس معاملے میں وسیع القلب واقع ہوئے ہیں اور یہی چیز مصوروں کو یہاں کھینچ لاتی ہے۔“

کافی ختم کرنے کے بعد کماری نے اسے پاکستانی موستقی کے ریکارڈ سنوائے۔ اسی

دوران میں یکدم دروازے پر دستک ہوتی اور ساتھ ہی ایک شوخ و شنک حم کر نوجوان فرانسیسی لڑکی مسکراتی ہوتی کرے میں داخل ہوتی۔ اس نے سنان کو ایک نظر دیکھا اور پھر کماری سے مخاطب ہو کر فرانسیسی میں کچھ کہا۔ کماری نے ہٹتے ہوئے اسی زبان میں جواب دیا اور لڑکی اسی وقت باہر نکل گئی۔

”آپ نے بھی رکھی ہوتی ہے؟“ سنان نے سمجھی سے پوچھا۔

”لیا چیز؟“

”یہ لڑکی!“

”لا حول ولا—“ کماری صاحب باقاعدہ شرمائی گئے ”آپ کو کیسے خیال آیا؟“  
”میرا خیال تھا کہ پیرس میں رہنے والے تمام مصوروں کی بووے باش کا یہ لازمی حصہ ہے۔“

”نہیں صاحب یہ بیچاری تو مالک مکان کی لڑکی ہے، پوچھنے آئی تھی کہ تمہارے دوست دوپر کا کھانا تو کھائیں گے نا۔“

دوپر کے کھانے کے بعد پھر کافی چلی اور پھر شام تک پاکستان اور پیرس کے بارے میں گپ پہ ہوتی رہی۔ تقریباً چھ بجے کے قریب سنان کماری صاحب کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد ڈرام کے ذریعے واپس مومارت آگیا۔ اس نے ان سے پیرس سے روائی سے قبل ملاقات کا وعدہ بھی کیا۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ دریائے سین کے کنارے پاسکل کی تلاش میں نکلنے سے قبل اپنا کیمرہ کرے میں رکھ آئے اور شام کی خنکی کے پیش نظر کوئی اونٹ چیز بھی پہن لے۔

کیسا سیکرے کر کی میرہیاں ملے کر کے جب وہ بائیں ہاتھ پر ایک ڈھلوان گلی میں اڑا تو اسے ایک مرتبہ پھر "قوہ خانہ پگال" کا بورڈ نظر آیا۔ موارت کی شیزی ترچی اور اونچی پیچی گلیوں نے اسے تھکا دیا تھا۔ اسے پیاس بھی محسوس ہو رہی تھی۔ سنان قوہ خانہ کے اندر چلا گیا اور اونچ سکواش کی ایک بوتل خرید کر کوئے میں پڑی ایک کری پر بیٹھ گیا۔ نیم تاریک قوہ خانے میں اسے بجد سکون کا احساس ہوا۔ وہاں اس کے علاوہ اور کوئی گاہک موجود نہ تھا۔ مالک حسب معمول سفید جھاڑن سے کاؤنٹر کی سطح چکانے میں مصروف تھا۔ ماحول میں تازہ کافی اور وائے کی طی جلی مکہ حرمت انجیز طور پر خوفگوار تھی۔

"موسیو! ہوٹل؟" قوہ خانے کے مالک نے وہیں کھڑے کھڑے سنان سے پوچھا اسے شاید یاد آگیا تھا کہ یہ وہی لڑکا ہے جو اس روز ہوٹل کے بارے میں دریافت کرنے آیا تھا۔

"مل گیا" سنان نے سرہلا کر خوش دلی سے کہا۔

"ترے بیان" مالک نے بھی سرہلا یا اور پھر الماری میں رکھے ہوئے شراب کے نازک اور پتے گلاس نکال کر پوچھنے لگا۔

استے میں قوہ خانہ کا دروازہ کھلا اور وہی مصور پال جسے میڈم ہوئے کرایہ نہ ادا کرنے کی پاداش میں کمرے سے نکال دیا تھا اندر داخل ہوا۔ اس کی پشت چونکہ سنان کی جانب تھی اس لیے وہ ایک دوسرے کو دیکھنے نہ پائے۔ پال سیدھا کاؤنٹر پر گیا اور مالک سے سرخ شراب کا ایک گلاس خرید کر وہیں سشوں پر بیٹھ کر چلکیاں لینے لگا۔

لقویاً آدھا گلاس شراب پی کر اس نے جیب سے ایک رنگ دار چل نکالی اور کاؤنٹر  
کی سطح پر آزمی ترجیحی لکیریں کھینچنے لگا۔ سنان نے اورنج جوس کا آخری گھونٹ براہ  
اور میز سے اٹھ کر ہوا۔ وہ پال سے مل کر یہ دریافت کرنا چاہتا تھا کہ کل کمرے سے  
تلکنے پر اس نے رات کماں گزاری تھی اور آج کل کماں رہتا ہے۔

ایشانے میں جب قوہ خانے کے ماں کے شراب کے گلاسوں کو جھاؤ پوچھ کر  
الماری میں رکھ کر پیچھے مڑ کر دیکھا تو پال کو کاؤنٹر کی صاف اور چکیلی سطح کو مشن  
تصوری بنتے دیکھ کر اس کا پارہ چڑھ گیا اور اس نے بڑی درشیکھ سے اسے کچھ کہا۔  
پال اسی طرح بڑے سکون سے کاؤنٹر پر لکیریں کھینچتا رہا۔ ماں کچھ دیر تو وہاں کھڑا ہے  
اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا رہا مگر جب نتائج خاطر خواہ برآمد نہ ہوئے تو  
اس نے پال کی جیکٹ پکڑ کر زور زور سے کھینچا۔ اس کے بعد حالات ایک دم بگزد گئے  
اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کو دھا دھم پیٹھ رہے تھے۔ ماں چونکہ بھاری  
تو تو ش کا ماں تھا اس لیے اس کا پڑھ بھاری نظر آ رہا تھا۔ سنان تھوڑی دیر تو انہیں  
یوں سمجھم گئھا ہوتے دیکھتا رہا اور پھر صلح مصالی کرانے کی غرض سے آگے بڑھا۔  
”اے بھائی موسیو۔ یہ لڑائی۔“

ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ ان میں سے کسی ایک نے ایک زور دار گھونسہ اسے  
بھی ہڑ دیا۔ سنان لڑکھڑا تا ہوا واپس اسی میز کے پاس آ پہنچا جمال وہ اس سے پہلے  
اور نج جوس پی رہا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ خالی بوتل اٹھا کر یونہی لڑھکا دے مگر پھر کچھ  
سوچ کر دیں کری پر بیٹھ کر اپنا جبرا سلانے لگا۔ اس نے کاؤنٹر کی طرف دیکھا تو اس  
کی حریت کی کوئی انتہاء رہی۔ پال اور قوہ خانے کا ماں بڑی بے تکلفی سے بغل کیر  
ہو رہے تھے اور خوب قیقئے لگا رہے تھے۔ ”فرانسیوں کی کھوپڑی ہی الٹی ہے۔“ سنان  
نے غصے سے منہ پھلایا لیکن اس حرکت سے اس کے جڑے میں شدت کا درد اٹھا اور  
وہ پھر چکپے بیٹھ گیا۔

”مکہ شاید زور سے لگا ہے۔“ پال اس کے سامنے کھڑا مکرا رہا تھا۔

”زور سے ہی لگا ہے“ نان نے رکھائی سے جواب دیا۔

پرس میں آج کا دن واقعی ہنگامہ خیز گزرا تھا۔ اب تک صرف مصوروں ہی سے ملاقات ہوتی رہی تھی۔ صبح ایک صاحب پدرہ فرائک ہتھیا کر لے گئے۔ دوپہر کو ایک مصور نے کافی پلاٹی اور کھانا کھایا اور اب ایک اور مصور نے اس کے خوبصورت جڑے کا حلیہ بنا کر رکھ دیا تھا۔

”پرانے پھٹے میں خواہ تماں ناگ نہیں اڑاتے“ پال اس کے سامنے کری پر بیٹھنے ہوئے مسکرا کر بولا ”قوہ خانے کا مالک میرا دوست ہے۔ ہم اکثر کسی نہ کسی بات پر الجھتے رہتے ہیں۔ ویسے اب کی بار غلطی میری تھی جو اس کے صاف شفاف کاؤٹر کا ستیا ہاں کر رہا تھا۔“

تموڑی دیر بعد جب جڑے کا درود قدرے کم ہوا تو نان کا موڈ بھی قدرے بحال ہو گیا۔

”کل جب تمہیں میڈم ٹھی نے کمرے سے نکال دیا تھا تو اس کے بعد شب بمری میں خاصی وقت ہوئی ہو گی؟ اس نے پال سے پوچھا۔

”ہاں قدرے“ پال نے لمبی داڑھی میں الگیوں سے سکھی کرتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں اپنی پہلی۔ دوست لڑکی کے پاس گیا تو وہاں پیشی بیکنگ ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ آج کل ایک اندھو نیشن مصور رہتا ہے۔ بہر حال وہ رات تو فٹ پاٹھ پر گزری اور دوسری صبح یہاں سے قریب ہی ایک اور جگہ رہائش کا بنڈوبست ہو گیا۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہیں اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔“

”کوئی بات نہیں۔ بلکہ مجھے تو اتنا تمہارا شکر گزار ہونا چاہیے۔ تم نے مجھے تین ماہ کے کرائے سے نجات دلادی۔“

”وہ تمہاری پہلی بیوی۔ جو قوہ خانہ میں کام کرتی تھی۔ اس کا کیا ہوا؟“ نان جاننا چاہتا تھا۔

”اوہ لوئیس۔ وہ بھی میرے ساتھ ہی ہے۔“

پال نے اسے بتایا کہ وہ جرمی کے شریبیرگ کا رہنے والا ہے۔ مال باپ جنگ  
عظیم کے بھینٹ چڑھ گئے اور وہ قصابوں کی دکانوں پر سور کاٹتا۔ شیشتوں پر بھائزو رہنا  
اور عسل خانوں کی صفائی کرتا جوان ہو گیا۔ اس دوران میں اسے مصوری کی لٹ پر  
گئی اور وہ پیرس آگیا۔ یہاں وہ پچھلے کئی یرسوں سے مقیم تھا۔ آمدن نہ ہونے کے  
برابر تھی۔

”تو پھر گزارا کیسے ہوتا ہے؟“ نان نے پوچھا

”نہیں ہوتا“ پال نے سرہلايا ”بکھی کبحار کوئی تصویر بک جاتی ہے تو چند روز  
اچھی طرح کٹ جاتے ہیں کسی نیک دل اور فن پرست خاتون سے تعارف ہو جائے تو  
کچھ عرصہ ہر شام وہاں کم از کم کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے اور مجھے وہاں  
صرف مصوری کے بارے میں گفتگو کرنی پڑتی ہے۔ خاتون اگر فن پرستی چھوڑ کر  
خصیت پرستی پر اتر آئے تو چار پیسے بھی مل جاتے ہیں یا پھر اور کچھ نہ ملا تو سیکرے کر  
کیسا کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر کسی سیاح کی تصویر بنا کر چار پانچ فرائک زبردستی وصول کر  
لیے۔“

”چار پانچ فرائک؟“ نان کو اپنے پندرہ فرائک کا خیال آگیا۔

”جو بھی مل جائے غنیمت ہوتا ہے۔ کئی تو صرف ایک فرائک پر ہی ٹرخا دینے  
ہیں“

”ایک۔ لیکن میں تو پندرہ فرائک دے کر چھوٹا تھا؟“

”ہا ہا ہا۔“ پال نے بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا ”گویا تم بھی بھنس گئے تھے؟  
نیرس کے قلاش مصوروں کا یہ پسندیدہ طریقہ ہے۔ دس بارہ کینوس لے کر ان پر  
سیکرے کر کا پس منظر پہلے سے بنا لیا اور پھر چند لکیریں کھینچ کر کسی سیاح کو جا دیو چا۔  
”آپ کے خدو خال نے میرے دل میں۔“

”ہاں ہاں باتی کا حصہ مجھے معلوم ہے۔“ نان نے پیشان ہو کر کہا۔

اسے یاد آگیا کہ وہ تصویر تو کماری کے کمرے میں ہی رہ گئی تھی کل سی۔

”اگر جہیں اور کہیں نہیں جاتا تو میرے شوڈیو میں چلو۔ میرے پاس بھی فراہی ڈبل روٹی اور پنیر بھی ہے“ پال نے میز سے اٹھتے ہوئے اسے دعوت دی۔ ابھی صرف سات بجے تھے۔ نان نے سوچا کہ وہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ اس دلچسپ غصت کے ساتھ گزارے گا اور بعد میں دریائے سین پر چلا جائے گا چنانچہ اس نے پال کے ساتھ شوڈیو جانے کی حاتمی بھرلی۔

پال کا شوڈیو یا وہ کرو جمال وہ تصویریں بنانے کے ساتھ ساتھ سوتا بھی تھا تو وہ خانے سے کچھ فاصلے پر ایک نمایت بوسیدہ عمارت میں واقع تھا۔ حکومت کی طرف سے اس عمارت کو ”خنطرباک“ قرار دے کر اسے مسافر کر دینے کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ اس اثناء میں چند فلاش مصوروں اور آوارہ گردوں نے وہاں ڈیرے ڈال دیے۔ پال نے نان کو پتا لیا کہ بلدیہ کے کارندے تقریباً ہر روز عمارت کو گرانے کے لیے آدمکنے ہیں مگر وہاں کے کمین منٹ سماجت کر کے چند روز کی مہلت لے لیتے ہیں۔ بہرحال یہاں پر کم از کم کرانے کی مصیبت نہ تھی۔

”شوڈیو“ میں سوائے ان رعنوں کے ڈبوں اور چند بوتکوں کے اور کچھ نہ تھا جو کل تک نان کے کمرے کی زینت تھے۔ کمرے میں پنک بھی نہ تھا۔

”تمہارا بستر کہاں ہیں؟“

”بستر“ پال نے حسب معمول واڑھی کھجاؤئی“ میں اپنی جیکٹ میں ہی سورہتا ہوں کافی گرم ہے“ اس نے اپنی ہلکی سی جیکٹ کا کونا انگلیوں میں مسلتے ہوئے کما۔ پال نے چند پرانے اخبار فرش پر پھیلا دیے ”مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس بیٹھنے کے لیے کرسی وغیرہ نہیں ہے“

”کوئی بات نہیں“ نان زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا ”یہ طریقہ سراسر مشتری ہے۔“ پال نے میلی جیکٹ کی ایک جیب میں سے اخبار کے کاغذ میں لٹکا ہوئی بھی ڈبل روٹی نکالی اور دوسری میں سے پنیر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا، ڈبل روٹی درمیان میں سے توڑ کر اس نے آدمی نان کو تھا دی اور پنیر فرش پر رکھ دیا۔ پال ابھی یہ پر ٹکلف

وسترخوان بچانے کا تردد کری رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ بکدم کھلا اور ایک چپے ہار والی خوبصورت لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔

”پال ڈارنگ آج مجھے تختہ مل ہی گئی“ اس نے اندر آتے ہی پال کے لب پر پیار سے کھینچے اور پھر اس کی داڑھی ایک طرف ہٹا کر اس کے لب پر بوسہ دیا۔ ”یہ ہے میری بیوی — آہم — میرا مطلب ہے اس کا نام لوئیس ہے“ پال نے تعارف کروایا ”اور یہ ہے میرا دوست—“ اور پھر قدرے رک کر سنان سے کہنے لگا ”بھائی نام کیا ہے تمہارا اور کیا کرتے ہو؟“ سنان نے اپنا مکمل تعارف کروایا۔

”آپ میرے پسلے پاکستانی ہیں“ لوئیس نے ان دونوں کے پاس فرش پر بیٹھ ہوئے کہا۔ اس نے یہ فقرہ ایسے ادا کیا جیسے وہ کسی نادرالوجود پرندے کی نسل سے تعلق رکھتا ہو جو پہلی مرتبہ قابو آیا ہو۔

”پنیر اور ڈبل روٹی؟“ لوئیس نے فرش پر رکھے طعام کے انتظامات کو خاتر کی نظر سے دیکھتے ہوئے دیا۔ ”میں چھٹے دس روز سے پنیر اور ڈبل روٹی کھا رہی ہوں۔ آج مجھے تختہ ملی ہے اور ہم کسی قوہ خانے میں جا کر مناسب قسم کا کھانا کھائیں گے مثلاً تلا ہوا مرغ اور اس کے ساتھ سرخ شراب“

”سرخ شراب؟ پال کی باچپیں کھل گئیں“ سنان تم بھی آؤ۔

”بہت بہت شکریہ پال لیکن میں آج سارا دن پیرس میں گھومتا رہا ہوں اور اب اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنا چاہتا ہوں“ سنان نے فرش سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ملے آؤ گے؟“ پال نے اس کا ہاتھ دیا کر بجد خلوص سے کہا۔

”ضرور۔ جب بھی وقت ملا۔“

سنان کمرے سے باہر نکلنے لگا تو پال نے ڈبل روٹی اور پنیر فرش سے اٹھا کر اس کی جیبوں میں ٹھونس دیا ”کمرے میں جا کر کھا لیتا۔ مزیدار ہے۔ لوئیس کو جانے کیوں پہنچیں۔“

ننان نے اس کا دل رکھنے کے لیے دونوں چیزیں قبول کر لیں ورنہ اسے ڈبل  
ڈبل اور بیسرے کوئی خاص رغبت نہ تھی۔

پال اسے نیچے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ ننان باہر نکلنے لگا تو پال اس کے  
کندھے پر ہاتھ رکھ کر کنٹنے لگا "اور ہاں — میڈم ٹوی سے ذرا بچ کر رہتا۔"  
"کیا مطلب؟" ننان وہیں کھڑا ہو گیا۔

"تمہارے جیسے لڑکوں کا تو آئیٹھ بنا کر کہا جاتی ہیں موصوف" پال آگئے بیچ کر  
ستک رہا۔

"پال! تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟" اوپر سے لوگیں کی آواز آئی۔ جو شاید ان کی  
باتیں سن رہی تھیں۔

"میں نے تو صرف نہ ہے لوگیں ڈارنگ" پال نے منہ پر ہاتھ رکھ کر بلند آواز  
میں کہا اور پھر منہ ننان کے پاس لا کر آہستہ سے کنٹنے لگا۔ "مجھے نہ معلوم ہو گا تو اور  
کس کو ہو گا! بھلا تین ماہ کا کرایہ اس نے یونہی تو نہیں چھوڑ دیا تھا۔"

"ڈارنگ کا شکریہ" ننان نے پال سے ہاتھ ملایا اور باہر آگیا۔

موارت کے گلی کوچوں میں خوب رونق تھی۔ اکثر لوگ اپنی بالکونیوں میں بیٹھے گلی کے پار اپنے ہسایوں سے محنتگو تھے۔ سنان نے دیکھا کہ جیسے اندر رون لاہور پردا نشین عورتیں سارا دن کمریوں میں بیٹھی خوانچہ فروشوں کا انتظار کرتی رہتی ہیں۔ ریوڑیوں والا آیا تو جھٹ ایک نوکری میں چونی رکھی اور رہی سے نیچے لکا دی۔ مگر بیٹھے بزی اور پھل وغیرہ کی بھی خرید اسی طریق سے کی جاتی ہے۔ کچھ اسی طرح کا نظام یہاں چیزیں میں بھی رائج تھا۔ ریوڑیوں کی بجائے ڈبل روٹی یا واٹن خریدی جا رہی تھی۔

قوہ خانوں کے برآمدوں میں بھی ہوئی کریاں فٹ پاٹھ پھلانگ کر سڑک تک آ پکنچی تھیں۔ ان پر ڈب، ہوئے لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ قوہ خانوں کے برآمدوں میں سجاوٹ کی طربائیں کے ساتھ بندھی ہوئی رسیوں کے ساتھ رنگ برلنگے قائمے لٹک رہے تھے۔ ہوا چلتی تو بلب جھولتے اور روشنیوں کا عکس بے نکر مصوروں، طالبعلمیوں اور جوان عورتوں کے چڑوں پر پڑتا۔

ایک دم سنان کو خیال آیا جس مقصد کے لیے ایک روز سے زیادہ اس شہر میں ٹھرا تھا وہ تو پورا ہی نہیں ہوا۔ ابھی تو اسے دریائے سین کے کنارے پاسکل کی ٹلاں میں لکھنا تھا۔ وہ سارا دن کی آوارہ گردی سے بیجد تھک چکا تھا اور دریائے سین وہاں سے کافی فاصلے پر تھا۔ اس موہوم امید پر وہ اس وقت اتنی دور جانے کے موڑ میں نہ تھا اس لیے اس نے وہاں جانے کا ارادہ ملتی کر دیا اور اپنے مکان کی جانب چل دیا۔ کیا کیا دوڑ کیا تھا۔ وہ ہال میں داخل ہوا تو وائیں ہاتھ کے کمرے سے ہلکی

یہ روشنی آری تھی۔

”کون ہے؟“ اندر سے میڈم ٹوی کی آواز آئی جس نے شاید دروازہ کھلنے کی آواز  
ن لی تھی۔  
”میں ہوں آپ کا پاکستانی کرایہ دار میڈم ٹوی!“ سنان نے کھڑے ہو کر جواب  
دا۔

کھڑے کا دروازہ کھلا اور میڈم ٹوی نائلن کے باریک نائٹ گاؤن میں ڈھکی ان  
ڈھکی باہر نکل آئی۔  
اس کی سرخ آنکھوں سے ظاہر تھا سنان کے ادا کیے ہوئے پیچھی کرانے کی رقم کا  
”استعمال“ ابھی تک جاری تھا۔ وہ ایک ہاتھ کو لمبے پر رکھ کر کواڑ کے ساتھ نیک لگا کر  
کھڑی ہو گئی۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

”شب پنیر“ سنان نے جلدی سے کما اور سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

”اتی جلدی بھی کیا ہے؟“ میڈم ٹوی نے وہیں کھڑے کھڑے جھوم کر کما  
”میرے کھلے میں آ جاؤ ذرا باتیں کریں گے۔ میں اکیلی بیٹھی بور ہو رہی تھی“  
ادھ کھلے کواڑ سے تپائی پر رکھی شراب کی گدلي بیز بولی اور ایک گلاس نظر آ رہا  
تھا۔

”شکریہ لیکن۔۔۔ میں بے حد تحک چکا ہوں اب آرام کرنا پسند کروں گا۔“

میرے کھرے میں بھی بے آرامی تو نہیں ہو گی“ میڈم ٹوی نے شرات بھرے  
لچے میں کما۔

ہلکی روشنی میں اس کے چڑوں کی جھریاں ماند پڑ گئی تھیں اور وہ خاصی قبول  
صورت نظر آ رہی تھی۔

”در اصل میں نے ابھی تک شام کا کھانا بھی نہیں کھایا اور یہ۔۔۔“ سنان نے  
جیکٹ کی جیب میں ٹھنڈی ہوئی ڈبل روٹی کی طرف اشارہ کیا ”پنیر کے ساتھ کھاؤں  
گا۔“

ڈبل روٹی اور پنیر بھی کوئی کھانے کی چیز ہے تم اندر کمرے میں آجائو میں تمیں  
آلیٹ بنا کر دوں گی۔ بالکل مفت۔

آ— آلیٹ؟“ سان گھبرا گیا۔ اسے پال کی وارنگ یاد آگئی۔ تمہارے چھے  
لوگوں کا تو وہ آلیٹ بنا کر۔“ جی بالکل نہیں۔ نہیں۔ میرا مطلب ہے متن  
بہت شکریہ۔ مجھے یہ ڈبل روٹی اور پنیر پال نے دیا تھا۔“

”وہ بد معاش تمیں کماں مل گیا؟“ میڈم ٹھی نے غصے سے کما اور پھر کسی پرانی  
یاد نے اسے مکرانے پر مجبور کر دوا ”پال اچھا لڑکا تھا۔“ تمہاری طرح نہ نہ کی  
گروان تمیں کرتا تھا۔ مان جاتا تھا۔“ اس نے حرفت آمیز لمحے میں کما اور پھر  
آنکھیں بند کر کے گھنٹائے گئی۔

سان نے یہ موقع غیبت جانا اور جلدی سے بیٹھیوں پر چڑھنے لگا۔ اپنے کمرے  
کے دروازے کے پاس جا کر اس نے مڑ کر دیکھا تو میڈم ٹھی وہیں دروازے کے ساتھ  
ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے مکرانے چلی جا رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہونے سے  
قبل اس کی نکاہیں غیر ارادی طور پر ساتھ والے کمرے کے دروازے پر اٹھ  
گئیں۔ وہاں بالکل خاموشی تھی۔

سان اپنے کمرے میں آیا اور کپڑے بدل کر بستر پر بیٹھ گیا۔ پال کی دی ہوئی ڈبل  
روٹی تو مزیدار تھی البتہ پنیر میں سے ایک زرد کیڑا برآمد ہوا۔ سونے سے پسلے اس نے  
تل سے جی بھر کر پانی پا اور بستر پر لیٹ گیا۔

پھر میں اس کا پہلا دن بیجہ ہنگامہ خیز گزرا تھا۔ بیشتر دلچسپ لوگوں سے واط  
پڑا اور اس مشور زمانہ شر کے کئی روپ نظروں کے سامنے آئے۔

”یہ میڈم ٹھی بھی خوب ہیں۔“ وہ دل ہی دل میں مسکرا دیا ”بے چاری“ اتنے  
میں سان کے دروازے پر آہستہ سے دسک ہوتی۔

”کون ہے؟“ سان نے لیٹئے لیٹئے زور سے پکارا۔  
کوئی جواب نہ آیا۔

تموڑی دیر بعد پھر دستک ہو گئی۔

سنان جو پڑے مزے سے سفری رضاگی میں لپٹا ہوا تھا بڑیدا تا ہوا اٹھ کھرا ہوا۔  
اسے شب تھا کہ کہیں میڈم ہوئی شراب کے دو چار گلاس اور چڑھانے کے بعد وہ  
اپلٹ والی دعوت دہرانے نہ آگئی ہو۔

”کہیا مصیبت ہے“ سنان نے ایک لمبا سانس لیا اور دروازہ کھول دیا۔  
وہ لیز پر ساتھ والے کمرے والی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کے کھلے ہوئے کالے بال  
شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

”میں نے تمہارے کمرے میں روشنی دیکھی تو چلی آئی۔“ خل ہونے کی معافی  
چاہتی ہوں“

”فرمائیے“ سنان نے ابادی لیتے ہوئے پوچھا۔

”تمہارے پاس سرخ شراب ہو گی۔“

”شراب؟“ سنان نے منہ بنا لیا۔

”ہاں انگوروں کی سرخ شراب۔ میں شام کو جلدی میں خریدنا بھول گئی۔ کل لوٹا  
دیں گے۔“

”میں شراب نہیں پیتا۔“ سنان نے وہیں کھڑے کھڑے آتا ہٹ سے کما۔

”کافی تو ہو گی؟ مجھے اس وقت کسی مشروب کی شدت سے طلب ہے“ لڑکی کے  
چہرے پر حکمن کے آثار تھے۔

سان دروازے سے ہٹ کر پنگ کے پاس آگیا اور اس کے نیچے سے اپنا سفری  
تمیلا گھیٹ کر باہر نکال لیا۔ تھیلے کی بیرونی جیب میں کھانے پکانے کا سامان تھا۔ اس  
نے کافی کاڈبہ نکال کر لڑکی کے حوالے کر دیا۔

”بہت بہت شکریہ“ وہ بیجد منون نظر آ رہی تھی ”میں صرف ایک پیالی بنا کر ابھی  
واپس کیے دیتی ہوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں“ سنان نے اخلاقاً مسکرا کر کہا ”صحیح واپس کر دیجئے گا“ اور

دروازہ بند کر کے اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا۔

ابھی وہ رضائی کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹنے بھی نہ پایا تھا کہ دروازے پر پر  
دستک ہوئی۔

”دروازہ کھلا ہے“ سنان اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب ضرور میڈم ڈی ہو گی۔ دروازہ کھل  
تو پھر وہی لڑکی تھی۔ اس نے کافی کی دو پالیاں اخبار کی تھیں۔

”ایک تمہارے لیے“ اس نے بستر کے قریب آ کر ایک پیالی سنان کو تمہاری اور  
دہیں کھری ہو گئی ”تم تخل ہو تو ہو گے مگر کیا میں یہاں بیٹھ کر کافی پی لوں؟ میں اپنے  
کرے میں اکیلی بور ہو رہی تھی اور یہ رہا تمہارا کافی کا ڈبہ۔“

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس گھر میں عورتوں کی اکثریت اپنے کروں میں بیٹھی بور  
ہو رہی تھی۔ پسلے میڈم ڈی اور اب یہ مختصر۔

”ہاں ہاں ضرور“ سنان رضائی میں سے نکل کر بستر کے سرے پر بیٹھ گیا ”کرے  
میں تو کری ہے نہیں آپ پنگ پر ہی بیٹھ جائیں۔“

”شکریہ“ لڑکی نے پنگ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ سنان لا شعوری طور پر بالکل ہی کوئے  
میں سمت گیا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں۔

”میرا نام جیتنی ہے“ لڑکی نے اس کی طرف بڑی بے چارگی سے دیکھا۔

”مجھے سنان کہتے ہیں“ اس نے جلدی سے کہا اور پھر سر جھکا کر کافی پینے لگ۔  
اسے بیجد الجھن ہو رہی تھی۔ وہ سو شل بات چیت کے موڑ میں نہیں تھا اور اب سنا  
چاہتا تھا۔

”آپ کا خادوند ابھی کام سے نہیں لوٹا کیا؟“ سنان نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے  
بعد اوہنگھتے ہوئے پوچھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ لڑکی کی موجودگی میں ہی وہ سو جائے۔  
لڑکی ہس دی ”میں شادی شدہ نہیں ہوں۔“

چھپلی شب آپ کے کمرے میں موسیقی کی بڑی خوبصورت دھنیں نجع رہی تھیں۔  
شاید کسی مرد کی آواز بھی آ رہی تھی۔“

ہاں۔۔۔ چھلی شب۔۔۔ لڑکی نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور کمرکی سے باہر

دیکھنے لگی۔۔۔

سنان کی کافی ختم ہو چکی تھی مگر وہ پیالی دونوں ہاتھوں میں تھامے بستر کے سرے  
پر آکر وہ بیٹھا رہا۔۔۔ اب وہ کیسے غیر منذب ہوئے بغیر اس لڑکی کو کمرے سے چڑھے جانے  
کو کہے۔۔۔ اس نے جان بوجھ کر ایک طویل جھائی لی۔۔۔

”خوبصورت دھنیں تھیں نہ؟“ لڑکی نے کمرکی سے نظریں ہٹا کر سنان سے پوچھا۔

”ہوں“ سنان نے چونکہ کر کما۔۔۔

”تم کہہ رہے تھے کہ میرے کمرے میں چھلی شب بڑی خوبصورت دھنیں بج رہی  
تھیں۔۔۔“

”ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ بالکل۔۔۔ ستار بہت اچھی تھی۔۔۔“

”میرے کمرے میں آ جاؤ دونوں بیٹھ کر موسيقی سننے ہیں“ لڑکی نے بڑے خلوص  
سے دعوت دی۔۔۔

”ہوں“ سنان پھر چونکہ گیا۔۔۔

”میرے کمرے میں۔۔۔“

”اچھا۔۔۔ میرا مطلب ہے پھر کبھی سی“ سنان نے بستر سے اٹھ کر پیالی لڑکی کو  
تحادی ”میں بیدر تھا کہا ہوں اور اب سونا پسند کروں گا امید ہے آپ برا نہیں مانیں  
گی۔۔۔“

”میں کسی بات کا برا نہیں ملتی“ لڑکی نے بستر سے اٹھ کر دروازے کی طرف  
جائتے ہوئے کہا ”اگر برا ملتا ہوں تو کھاؤں کہاں سے؟“

سنان کو پہلے سے ہی اس لڑکی کے بارے میں موهوم سی بے چینی تھی مگر وہ  
اس فقرے سے سب کچھ جان گیا وہ ایک فرانسیسی محاذوں کے مطابق ”چپل لڑکی“  
تھی۔۔۔ ایک ”کارڈ باری“ عورت۔۔۔

سنان کو اس سے پہلے اس حرم کی لڑکی سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا تھا اور وہ حیران ہو

رہا تھا کہ شکل و صورت کے لحاظ سے وہ نہایت عام سی لڑکی لگ رہی تھی۔ اس سے اس کے لیے اپنے دل میں ہمدردی سی محسوس کی۔ ایک چنپل لڑکی ہوتے ہوئے بھی اس کی باتوں میں بے پناہ خلوص اور چہرے پر مخصوصیت تھی۔ اس میڈم سے کہیں زیادہ جو شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے بھی شاید اس لڑکی سے زیادہ گمناہی کردار کی مانگ تھی۔

”میرا خیال ہے کہ مجھے اتنی نیند بھی نہیں آ رہی کہ ستار کی ایک دودکش دھنیں بھی نہ سکوں“ سنان نے بید و میٹے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔  
جیسی وہیں رک گئی اور جھجک کر کئے گئی ”میں مخل نہیں ہونا چاہتی۔“

”ایسی کوئی بات نہیں“ سنان نے سلیپنگ سوٹ کے اوپر جیکٹ پہننے ہوئے کہا  
”کافی پینے سے نیند بالکل غائب ہو گئی ہے۔ میں ستار کی دھنیں ضرور سننا پسند کروں گا۔“

جیسی کامکرہ سنان سے کہیں بہتر تھا۔ کھڑکی پر لیس کے باریک پردوں کو محل کے بھاری پردوں نے ڈھک رکھا تھا۔ کونے میں پڑا و سین پنگ اپنے متعدد گدوں اور شیل کی رضاۓ کی وجہ سے بید آرام وہ دکھائی دے رہا تھا۔ پنگ کے چاروں طرف سفید لیس کے پردے جھول رہے تھے۔ ایک کونے میں ایک بڑی ڈریسٹنگ نیشنل پر دنیا جہاں کامیک اپ کا سامنا بکھرا پڑا تھا۔ فرش پر ایک پرانا قالین تھا اور اس پر ایک آرام ہ اور نرم صوفہ سیٹ۔ کمرے کی مختلف خوشبوؤں میں خوراک کی بھی خوشبو تھی جس سے ظلیل ہوتا تھا کہ وہ اپنا کھانا پکانا بھی وہیں کرتی ہے۔ کھڑکی کے ساتھ تپائی پر شراب کی ایک خالی بوتل اور دو گلاس دھرے تھے۔ ان کے پیچے ایک بید خوبصورت گزنا پڑی تھی، گزیا کے لبوں پر لپ سنک گئی تھی۔

جیسی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی بستر کی شکنیں درست کیں۔ کھڑکی کا پڑا آگے کھینچ دیا اور پھر بھاری صوفے پر رکھے گدے کو تھپتھپا کر دیں واپس رکھتے ہوئے کرنے لگی۔

”میرا کمرہ زیادہ آرام د نہیں۔۔۔ پلے بیٹھنے۔۔۔“

سان صوفے پر بیٹھ گیا۔

جانے کیوں وہ بیجد نوس محسوس کر رہی تھی۔ یوں لگتا تھا مجھے اس کے ہاں اس سے پہلے کبھی کوئی مہمان نہ آیا ہو۔

”بڑا اچھا کمرہ ہے“ سان نے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔ جینی بڑی بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی جیسے وہ کمرے کی سجاوٹ سے مطمئن نہ

۔۔۔ ۶۹

”آرام د بھی ہے۔۔۔“ سان نے پھر کہا۔

”میری آمدن اس سے بہتر کمرے میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی۔۔۔ بس گزارا ہے“ جینی نے وہیں کھڑے کھڑے کما اور مسکرانے لگی۔

”اوہ۔۔۔“ اس نے ایکدم منہ پر یوں ہتھیلی جمادی جیسے کوئی حادثہ ہو گیا ہو۔ ”مجھے انفوس ہے کہ میں تمہیں کوئی مشروب پیش نہیں کر سکتی“ اور پھر قدرے پیشان ہو کر کہنے لگی ”تم کو تو تمہارے کمرے سے وہ کافی کافیہ پھرا لھا لاؤں اور تمہیں کافی ہنا دوں؟“

سان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سرہلا دیا۔۔۔ عجیب لڑکی ہے۔

جینی اسی بے قراری کے عالم میں دوڑتی ہوئی سان کے کمرے میں سے کافی کاٹبہ لے آئی اور ڈرینگ نیبل کے نیچے سے ایک شوونکال کر اسے جلایا اور کافی کے لیے پانی رکھ دیا۔

”عیجھے باورچی خانے والا کمرہ بیجد مرنگا ملتا ہے“ جینی نے معدودت بھرے لبجے میں کما ”میں اپنا کھانا بیسیں اس شوونکال پر ہی بنا لیتی ہوں۔۔۔“

کافی تیار ہو گئی تو اس نے ایک پیالی سان کو دی اور خود اس کے پہلو میں ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

وہ اب بے چینی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔